یوم آزادی اور یوم جمہوریہ

کی مختصر تاریخ

(مسلمانوں کی قربانیوں کے پس منظر میں)

(۱۵ اگست ۱۹۴۷ء و ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء اور قومی پرچم)

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

(صدر: جمعیت پیام امن، لکھنؤ)

مکتبہ پیام امن

ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ، یوپی، انڈیا

جملہ حقوق محفوظ

نام	:	یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کی مختصر تاریخ (مسلمانوں کی قربانیوں کے پس منظر میں)
مصنف	:	مفتی محمّد سرور فاروقی ندوی
ناشر	:	مکتبہ پیامِ امن، ندوہ روڈ ڈالی گنج، لکھنؤ
اردو ایڈیشن	:	پہلی بار
تعداد کتب	:	۱۰۰۰
سال	:	۲۰۱۸
قیمت	:	۴۰

Writer : Mufti Mohd Sarwar Farooqui Nadwi
Publisher : Maktaba Payam-e-Amn, Nadwa Road,Daliganj,lucknow.
Website: www.islamicjpamn.com
E-Mail: tasneemlko2012@gmail.com, ataullah2012@gmail.com
Phone No. 9984490150, 9919042879

ملنے کے پتے

۱۔ مجلس تحقیقات ونشریات، ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ (لکھنؤ)

۲۔ نیوسلور بک ایجنسی، 14، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی

۳۔ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد ۳۱ (لکھنؤ)

۴۔ سبہانیہ بک ڈپو، نیا محلہ، جبلپور، مدھیہ پرادیش، 9424708020

۵۔ ستیہ فاؤنڈیشن 5 182-A گرین لینڈ کیمپس، پوکھرپور، کانپور

فہرست مضامین

مقدمہ ۶

تحریک آزدی پر ایک طائرانہ نظر ۶

باب اول ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا کرداد اور یوم آزادی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء ۱۰

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد اور مسلم حکومتوں کا خاتمہ ۱۱

۱۶۰۰ء میں شاہی فرمان ۱۱

۱۶۹۸ء میں انگریزوں کی دست درازی ۱۱

ہندوستان میں انگریزوں کا مقصد ۱۲

مسلم حکمرانوں کا مقصد ۱۲

مغلیہ دور کا زوال ۱۳

شاہ ولی اللہؒ کی کوششیں ۱۴

شید احمد شہیدؒ کا دور ۱۴

حریت پسند علماء کرام ۱۵

علماء کو اذیتیں ۱۶

ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور یوم آزادی ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء ۱۸

انگریزوں کے خلاف ۱۷۵۱ء سے منظم جنگ ۱۹

۱۷۵۷ء میں پلاسی اور بکسر کی اہم جنگ ۱۹

۱۷۸۳ء سے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا کردار ۱۹

ٹیپو سلطان کی شہادت ۲۰

۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ ۲۱

۱۸۳۱ء میں سید احمد شہید کی جہادی کوشش ۲۱

۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۷ء تک کی قیادت ۲۱

علماء کی میٹنگ ۲۲

غدر یا آزادی کی لڑائی ۲۳

۱۸۵۷ء میں علماء کی بغاوت ۲۴

جنگ آزادی میں علماء دیوبند کا کردار ۲۵

۱۸۶۵ء سے ۱۸۸۳ء تک علماء کی آزمائش ۲۶

۱۸۵۷ء کی فتح ۲۷

برطانیہ کے وائسرائے کی رپورٹ ۲۷

قرآن مجید کی بے حرمتی ۲۷

علماء کو دردناک سزائیں ۲۷

ان کی قربانیوں کا ذکر کیوں نہیں ہوتا ۲۸

احمد اللہ شاہؒ کی غیرت ۲۹

مدارس کو ختم کرنے کا فیصلہ ۲۹

۱۸۸۴ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام ۲۹

۱۹۱۲ء میں ریشمی رومال کی تحریک ۳۰

۱۹۱۶ء میں علماء کی گرفتاریاں اور ظلم کے پہاڑ ۳۱

شیخ الہند کی قربانیاں ۳۱

۱۹۱۸ء میں تحریک خلافت ۳۲

۱۹۱۹ء میں جمعیت علماء ہند کا قیام ۳۲

جلیاں والا باغ سانحہ ۳۳

تحریک ترک موالات ۳۳

مولانا محمد علی جوہرؒ کا انتقال ۳۴

ہندوستان چھوڑو تحریک ۳۴

آخری دور کے علماء کی قربانیاں ۳۴

آزادی کی پہلی صبح ۳۵

شمع آزادی کے چند پروانے ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء تک ۳۵

باب دوم یوم جمہوریہ یعنی ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کا پس منظر ۳۷

یوم جمہوریہ کا پس منظر ۳۸

۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء اور دستور ہند ۳۸

جمہوری نظام ۳۸

دستور ہند کی چند اہم خصوصیات ۳۹

حکومت کے تین طریقے ۳۹

جمہوریت کے عناصر ۳۹

باب سوم قومی پرچم اور اس کی حقیقت ۴۰

قومی پرچم کی پہچان ۴۰

آزادی سے پہلے کے چند جھنڈوں کا ذکر ۴۱

آزادی کے بعد کا جھنڈا ۴۲

ترنگا جھنڈا کی حقیقت ۴۲

قومی پرچم کی تیاری کا کام ۴۴

قومی پرچم کا قانونی ضابطہ ۴۴

ترنگے کا اہتمام ۴۵

❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تحریک آزادی پر ایک طائرانہ نظر

ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں نے خصوصاً بے انتہا قربانیاں پیش کیں اس طویل لڑائی میں ہماری بہنوں وعورتوں کو بے حرمت کیا گیا، املاک پر ڈاکہ زنی کی گئی، لا تعداد بچے یتیم ہوئے، بستیاں ویران اور گاؤں بے چراغ ہو گئے، لاکھوں جانیں تلف ہوئیں، مالٹا میں بھی ہمارے صبر وضبط کا امتحان لیا گیا، پانی پت وشاملی کے میدانوں کو بھی ہم نے اپنے خون سے سیراب کیا، ہاتھیوں اور گھوڑوں کے پیروں سے بھی روندا گیا، احمد نگر کے قید خانوں کو بھی مسلمانوں نے اپنے عزم وحوصلوں کا نظارہ کرایا۔

بدنام زمانہ جیل ’’کالے پانی‘‘ میں بھی مسلمانوں نے سزائے قید کاٹی، جیل خانوں کے مصائب جھیلے، جلیانوالہ باغ کے خونی منظر سے بھی مسلمان گزرے، میسور کی دھرتی، بالاکوٹ کی پہاڑی، شاملی کے میدان، پٹنہ وبکسر کی سرزمین اور لاہور کی شاہی مسجد مسلمانوں کی قربانیوں کی شاہد ہے، ایک ایک دن میں اسّی اسّی علمائے کرام کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکایا گیا، دہلی کے چاندنی چوک سے لیکر لاہور تک کوئی ایسا درخت نہیں تھا جس پر علماء کی لاشیں لٹکی نہ ہوں، ایک ہندو مصنف نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں تقریباً پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا، گویا مسلمانوں کی قربانیوں کو جتنا ذکر کیا جائے وہ کم ہے، مسلمانوں کے قائدانہ کردار کے نتیجہ میں فرنگی بھیڑیوں کے چنگل سے یہ ملک آزاد ہوا۔

’’انقلاب زندہ باد‘‘، ’’انگریز حکومت مردہ باد‘‘، جیسا نعرہ عوام کو دیا، ’’سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے‘‘، جیسا پرجوش نغمہ، اور ’’سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا‘‘

جیسا وطن کی محبت میں ڈوبا ہوا ترانا سنایا، جس سے ملک کے درو دیوار گونج اٹھے، اور اتحاد یکجہتی کی ایسی مثال پیش کی جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے (جن کا دہلی میں واقع سرکاری مکان جو جنگ آزادی کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا) کہا تھا کہ ''یہ ملک ہمارا ہے ہم اسی کے لئے ہیں، اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے، مولانا آزاد نے دہلی کی جامع مسجد سے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرو، اور تبدیلیوں کے ساتھ چلو، ستارے تو ٹوٹ گئے لیکن سورج تو چمک رہا ہے، اس سے کرنیں مانگ لو اور ان اندھیری راہوں میں بچھادو، جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے۔

مولانا آزاد ہمیشہ ملک کی مستحکم تعمیر کے لئے قومی یکجہتی کی دعوت دیتے رہے، ان کا واضح موقف یہ تھا کہ ''اگر آزادی نہ ملی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا، لیکن ہندو مسلم اتحاد نہ رہا، تو یہ انسانیت کا نقصان ہوگا، مولانا کا معروف قول ہے کہ '' کہ آگر آج ایک فرشتہ قطب مینار پر اتر کر یہ اعلان کرے کہ ہندوستان کو آزادی مل سکتی ہے، بشرطیکہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد سے دست بردار ہو جائے، تو میں آزادی کے مقابلہ میں ہندو مسلم اتحاد کو ترجیح دونگا''۔ مولانا نے اپنی زندگی کا قیمتی لمحہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گذار کر مصائب، ظلم وستم کا سامنا تو کیا، لیکن انگریزوں کی ماتحتی قبول نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ شریک حیات زلیخا بیگم کے انتقال پر انگریزوں نے مولانا آزاد کو جب تین دن کی رہائی دی، تو یہ کہہ کر انہوں نے انکار کردیا تھا کہ ''مجھے انگریزوں کا رہائی نامہ قبول نہیں ہے، قیامت کے دن میں اپنی اہلیہ سے ملاقات کرلوں گا۔

ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار بقول سر سید احمد خاں کہ ''ہندوستان ایک دلہن کی مانند ہے، ہندو اور مسلمان دونوں اس کی دو آنکھیں ہیں، ان میں سے اگر ایک آنکھ بھی خراب ہو جائے تو دلہن کی خوبصورتی غارت ہوجائے گی''۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ایک موقع پر خطاب فرمایا تھا کہ ''ہم اس ملک کے مالی اور چمن آرا ہیں، اس ملک کو سنوارنے میں اپنی پوری توانائی اور بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں، اسی صورت میں فطرت کا تقاضہ ہے کہ ہم اس ملک کو تاراج ہوتے، اس کا نقشہ بگڑتے، یا اس کا کوئی نقصان ہوتے گوارہ نہیں کرسکتے، خاک و طن کا ہر ذرہ ہم کو عزیز ہے، اس کی پوری تاریخ اور یہاں کے آثار و مشاہدے ہماری عظمت کے شاہد ہیں، تاج محل کا حسن، قطب مینار کی بلندی، جامع مسجد شاہجہانی اور لال قلعہ کی عظمت اس حقیقت کی شہادت دیتی ہیں کہ! ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔

اس ملک کے معماروں کا یہ نظریہ تھا کہ یہاں مساوات، خوشحالی پر مبنی ایسا سماج تعمیر ہوگا جہاں کسی کا استحصال نہ ہوگا، اقلیتوں کا ملی تشخص اور دستور حق محفوظ رہے گا اور تعلیمی، اقتصادی معاشی میدان میں کسی کے محتاج نہ ہوں گے، گھن کی طرح کھوکھلا کرنے والی بد عنوانیوں کا خاتمہ ہوگا، سلامتی و خوشحالی کی گنگا بہے گی، اور ہم اپنے ملک کے دستور اور قانون کی روشنی میں وطن عزیز کو آگے بڑھائیں گے۔

لیکن افسوس ہے کہ آج ہمارا ملک مختلف مسائل میں گھرا ہوا ہے، اس کا بنیادی ڈھانچہ شدید بحران سے گذر رہا ہے، قومی مسائل بے شمار ہیں، تھمنے کے بجائے اس میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، ملک کی کئی ریاستوں میں خلفشار مچا ہوا ہے، اس کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش فرقہ وارانہ نفرت کی پہنچان بن گیا ہے، جل، جنگل، زمین اور کارپوریٹ کے لوٹ کے خلاف آوازیں اٹھائی جارہی ہیں، احتجاج کی بازگشت ہر طرف گونج رہی ہے، کبھی معاملہ اتنا گرم کردیا جاتا ہے کہ ملک کی عظیم رواداری جھلسنے لگتی ہے، سکولر اقدار کی خوشیاں زائل ہونے لگتی ہیں، کبھی لو جہاد کی آگ سلگتی ہے، کبھی چار شادیوں کا غلغلہ اٹھتا ہے، کبھی تین طلاق اور مسلم خواتین کی مظلومیت کا فتنہ کھڑا کیا جاتا ہے، کبھی بیف کو لیکر مسلمانوں کو وحشی ثابت کرنے کا کھیل ہوتا ہے، کبھی یکساں سول کوڈ کا مدعہ اٹھتا ہے، کبھی

فضائیہ میں داڑھی پر پابندی کی بات ہوتی ہے، ظلم واستبداد کے سانحوں، دردناک دنگے، شرمناک فسادات نے صاحب ضمیر انسانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

جس مدارس سے آزادی کی صدا بلند ہوئی تھی آج انہیں مدارس کو شک کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے، درخشاں تاریخ رقم کرنے والوں کو فراموش کیا جارہا ہے، انصاف کی امید میں عمریں گذر جاتی ہیں۔

صوفی سنت کے اس دیش میں فرقہ واریت جنم لے رہی ہے لوگ مختلف ذاتوں، طبقوں، فرقوں میں تقسیم ہوتے جارہے ہیں۔ جبکہ ہمارے ملک کا جمہوری قانون، امن وآشتی، پیار ومحبت، گنگا جمنی تہذیب کا ضامن اور مساوات وسکولرزم کی حقیقی مثال، اور ہر مذہب کے ماننے والوں کو اپنی شناخت قائم رکھنے کی ضمانت دیتا ہے۔ جو دیگر ملکوں کے جمہوری قوانین میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

اس طرح اس کتاب کے مراجع میں تو بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن اکثر واقعات کی تاریخ 'تحریک آزادی اور مسلمان' نامی کتاب، شائع کردہ دارالمؤلفین دیوبند سے لیا گیا ہے جس سے تاریخی اعتبار سے واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ملک میں امن وامان کی فضاء کو قائم کرتے ہوئے ہدایت عام فرمائے اور اصل علماء کی قربانیوں کا ثمرہ دستور حق کی شکل میں نافض کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب آخر میں ہم جناب محتشم عبدالباری صاحب حفظہ اللہ کے شکر گذار ہیں جو ہمیشہ ہمت افزائی اور ہمدردی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اجر عظیم عطا فرمائے۔ والسلام

محمد سرور فاروقی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
2016/11/7

باب (اول)

ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا کردار

اور

یوم آزادی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد
اور
مسلم حکومتوں کا خاتمہ

تاریخ کے اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۳۲۵ قبل مسیح سکندر اعظم کے حملوں ، مارکو پولو کے سفر (۹۵-۱۲۹۴ء) سے واسکوڈیگاما کے سفر (۱۴۹۹ء) تک ہندوستان کے یورپی ممالک سے تجارتی روابط قائم ہو چکے تھے اور انگریزوں نے اکبر اعظم کے دور اقتدار میں ہی تجارتی تعلقات کو مستحکم کرنے کی کوششیں بھی کر دی تھیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے چار انگریزوں۔(۱) رالف فچ (۲) جانیوبری (۳) اسٹوری اور (۴) لیڈس نے تجارتی اغراض ومقاصد سے ہندوستان کا سفر کیا جو اپنے مشن میں ناکام رہے۔

۱۶۰۰ء میں شاہی فرمان

۲۱/دسمبر ۱۶۰۰ء کو ملکہ الزبتھ کے شاہی فرمان کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان سے تجارت کا باقاعدہ آغاز کیا۔ شہنشاہ جہانگیر نے پہلے انگریز کپتان ولیم ہاکنس کی درخواست کو اگرچہ مسترد کر دیا تھا، لیکن ۱۳/مئی ۱۶۲۳ء کو شہنشاہ برطانیہ جیمز اول کے مقرر کردہ سفیر ٹامس رو کی تین برسوں کی مسلسل کوششوں کے بعد شہنشاہ جہانگیر نے بالآخر کمپنی کو سورت میں فصیل بند کارخانہ قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

۱۶۹۸ء میں انگریزوں کی دست درازی

یہ ۱۶۹۸ء کی بات ہے جب انگریزوں نے دست درازی کرتے ہوئے سورت کے ساحل پر اورنگ زیبؒ کے سب سے بڑے بحری جہاز، گنج سوائی کو لوٹ کر اس پر قبضہ کرلیا۔ اس پر اورنگ زیبؒ نے حکم جاری کر دیا کہ سورت میں انگریزوں کے تمام تاجروں کو

گرفتار کرلیا جائے۔ لیکن انگریزوں کے معافی مانگنے پر اورنگ زیبؒ نے انھیں معاف کر دیا۔ اس کے بعد حصول اقتدار کے لیے انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جھڑپیں ہوئیں اور ان کی شہ پر دکن اور کرناٹک کے حکمرانوں، نظام کے بیٹوں اور محمد علی و چنداصاحب کے درمیان جنگیں شروع ہوگئیں۔

لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر انگریزوں نے ہندوستان پر اپنا مکمل تسلط قائم کرنے کی نئی حکمت عملی وضع کی۔ انہوں نے مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو کمزور کرنے کی در پردہ کوششیں شروع کیں، جس کے سبب اورنگ زیبؒ کے بیٹوں میں تخت وتاج کے لئے لڑائیاں ہوئیں۔

ہندوستان میں انگریزوں کا مقصد

دراصل انگریزوں کی ہندوستان آمد کا مقصد ''تجارت''، قطعی نہ تھا، بلکہ ہندوستان کو لوٹ کھسوٹ کر اس کی دولت کو مٹا کر خاک میں ملانا اور یہاں حکمرانی کرنا تھا۔ فرانسیسیوں، پرتگالیوں، ولندیزیوں اور انگریزوں نے لوٹ کھسوٹ کر ہندوستان کو تباہ وبرباد کیا اور کنگال بنایا۔ انگریزوں کی عیاری، مکاری، اور چالبازی سے ہندوستان کی جو معاشی تباہی وبربادی ہوئی اس کی تصویر کشی نہیں کی جاسکتی۔

مسلم حکمرانوں کا مقصد

اس کے برعکس ہندوستانی راجاؤں کی دعوت پر فوج کشی کرنے والے محمد غوری اور نادر شاہ کو چھوڑ کر تمام مسلم حکمرانوں نے اپنے دور اقتدار میں ہندوستان کو لوٹا نہیں، بلکہ مالا مال ہی کیا۔

اور آریائی قوم کی طرح جو مسلم قومیں ہندوستان آئیں، ان سبھی نے نہ صرف ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا، بلکہ اسی ملک میں پیوند خاک بھی ہوئے۔ مرکزی محکمہ آثار قدیمہ

میں مندرج مسلم حکمرانوں کے باقیات کو دیکھ کر آج بھی ہر ہندوستانی کا سر فخر سے بلند ہوتا ہے مغل شہنشاہ اورنگ زیبؒ کو ہی لیجئے۔انہوں نے مساجد کی تعمیر کے ساتھ مندروں کے انتظام وانصرام کے لیے جاگیریں عطا کیں، جن کے سیکڑوں فرمان جمع کر کے ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے جیسے عظیم مؤرخ نے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔

اورنگ زیبؒ کی عظمت وسربلندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے خود یہ وصیت کی تھی کہ ''مرنے کے بعد ان کی تجہیز وتکفین سرکاری خزانہ سے نہ کی جائے، ان کی محنت سے کپڑوں اور ٹوپیوں کی سلائی اور قرآن مجید کی تحریر کے ذریعہ جو ہدیہ کے طور پر رقم حاصل ہوتی ہے اس سے ان کی تجہیز وتکفین کی جائے۔ چنانچہ ۲۰ رفروری ۱۷۰۷ء کو جب اورنگ زیبؒ کا انتقال ہوا تو اورنگ آباد سے ۲۶ کلومیٹر فاصلہ پر واقع خلد آباد میں ان کی ذاتی رقم جو ٹوپیوں وغیرہ کی ۳۰۵ روپئے تھی اس سے ان کی تجہیز وتکفین کی گئی اور حضرت زین الدین شیرازیؒ کے مقبرہ کے احاطہ میں اورنگ زیبؒ کی تدفین ہوئی۔

مغلیہ دور کا زوال

اورنگ زیبؒ کے انتقال کے بعد جب مغلیہ دور حکومت کا زوال شروع ہوا تو مغل شہنشاہ کو بے کسی اور بے بسی کے عالم میں انگریز حکمرانوں کا وظیفہ خوار بننا پڑا اور آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کو ملک بدری پر مجبور ہونا پڑا۔

بنگال کے حکمراں علی وردی خاں کو آخری وقت میں سراج الدولہ کے نام یہ وصیت کرنا پڑی کہ ''ہندوستان کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تم انگریزوں کو بنگال میں اپنی فوج رکھنے یا قلعہ بنانے کی اجازت مت دینا۔'' لیکن میر جعفر اور مانک چند جیسے اس کے دیگر درباریوں کی سازش سے ۱۷۵۷ء کی پلاسی کی جنگ میں اسے ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد انگریزوں نے میسور کے حکمراں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے خلاف فوج کشی کی۔ لیکن ٹیپو سلطان نے اپنے والد کے انتقال کے بعد جب حکومت سنبھالی

تو سب سے پہلے اس نے اپنی شجاعت وبہادری سے نظام، مرہٹوں اور انگریزوں کی مشترکہ فوج کا جم کر مقابلہ کیا اور ان سب کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد ٹیپو سلطان نے راجاؤں کو یہ پیغام دیکر کہ ہندوستان صرف ہندوستانیوں کا ہے، انگریزوں کے خلاف ۷رمئی ۱۷۹۹ء کو متحد ہو جانے کی اپیل کی۔ لیکن میر صادق اور دیگر درباریوں کی دغا بازی سے میدان جنگ میں انگریزوں سے نبرد آزما رہتے ہوئے اسے جام شہادت پینا پڑا۔ اسی لئے گاندھی جی نے ٹیپو سلطان کو ہندوستان کی تحریک آزادی کا پہلا شہید قرار دیا۔

انگریزوں نے بنگال اور میسور کے حکمرانوں کو پسپا کرنے، نظام مرہٹوں اور سکھوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد مغلیہ سلطنت کے تاجدار اور اودھ کے نواب کو بھی اپنا وظیفہ خوار بنا لیا۔

شاہ ولی اللہؒ کی کوششیں

اسی زمانہ میں شاہ ولی اللہ نے ایسے نامساعد حالات میں ہی برطانوی نظام حکومت کی برتری اور بالادستی کو ختم کر کے ایک ایسے نظام کے قیام کی ضرورت پر زور دیا۔ جو صحیح نظریات ومیلانات کا حامل ہو۔ شاہ ولی اللہ اپنے انقلابی نظریہ۔ کے تحت ہر بوسیدہ نظام حکومت کے خاتمہ کے لئے جہاد کو بھی ناگزیر سمجھتے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے انگریزوں کی بڑھتی ہوئی دست درازی پر ضرب لگانے کے لئے شہنشاہ شاہ عالم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ہندوستانی سماج کو ایک مثالی سماج بنانے اور محبان وطن میں بیداری پیدا کرنے کے لئے تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری کیا۔

سید احمد شہیدؒ کا دور

سید احمد نے ۱۸۲۴ء میں ملک بھر کا دورا کیا اور لوگوں میں جذبہ حریت بیدار کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے۔ انہوں نے گوالیار کے مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کو بھی

ایک خط لکھ کر ایک پیغام بھیجا، جس میں انہوں نے انگریزوں کو ملک بدر کرنے کی اپیل کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''یہ (انگریز) حکومت ملک میں پھیل رہی ہے، جس نے تمام ہندوستانیوں کی عزت مٹادی ہے۔ آپ اطمینان سے نہ بیٹھیں۔

صرف اتنا ہی نہیں، سید احمد شہیدؒ نے راجہ ہندوراؤ کو بھی ایک خط لکھ کر سرزمین ہندکو انگریزوں سے پاک کرنے کے لئے دعوت دی۔

ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی اپنی ایک الگ ہی داستان ہے۔ بغاوت کے بعد اگر چہ بہادر شاہ ظفر کے وفادار دیسی راجاؤں مہاراجاؤں اور دیگر تمام انقلابیوں کی متفقہ رائے سے ہندوستان کے کونے کونے میں انقلاب برپا کرنے کے لئے ۳۱رمئی ۱۸۵۷ء کی تاریخ کا تعین ہوا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو دیسی فوجیوں نے میرٹھ چھاونی میں بغاوت کردی تھی۔

حریت پسند علماء اکرام

اس انقلاب میں مہارانی لکشمی بائی، تاتیا ٹوپے، نانا صاحب، بیگم حضرت محل، جنرل بخت خاں، مولوی احمد اللہ شاہ فیض آبادی، کنورسنگھ، عظیم اللہ خاں، نواب محمود خاں، نواب عبدالرحمان، نواب عبدالصمد خاں، اور رسول بخش کاکوری جیسے لاتعداد جانبازوں اور حریت پسند علماء کرام نے جہد آزادی میں پوری قوت سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور راہِ حق میں اپنی جانیں تک قربان کیں۔ دولاکھ مسلمان شہیدوں میں علماء کی تعداد ساڑھے اکیاون ہزار تھی۔

مولانا عبدالقادر کے پر پوتے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو بھی جہاد آزادی میں سرگرم حصہ لینے کے الزام میں دس برس چھ مہینے قید کی سزا برداشت کرنا پڑی۔ اسی پنجاب کے انبالہ شہر میں ہی ۲ مئی، ۱۸۶۴ء کو مولانا یحییٰ علم عظیم آبادی مولوی جعفر تھانیسری

اور مولانا عبدالرحیم صادق پوری کو عدالت نے پھانسی کی سزا سنائی تھی، جسے مصلحتاً بعد میں کالا پانی میں تبدیل کیا گیا کہ کہیں پھانسی سے ملک میں انتشار نہ پھیل جائے۔

اورنگ آباد میں علماء کی ہی تحریک پر فدا علی اور حیدر آباد میں چھیدا خاں وغیرہ نے بغاوت کی اور معتوب ہوئے۔ اس کے بعد مولوی علاء الدین اور روہیلہ قائد طرہ باز خاں نے مجاہدین کی کثیر تعداد کے ساتھ ۱۷ رجولائی ۱۸۵۷ء کو ریزیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ انگریزوں اور روہیلیوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ لیکن ناکامی کے بعد طرہ باز خان کو گولی سے اڑادیا گیا اور اس کی لاش حیدآباد میں سرعام ڈال دی گئی۔ اس کے علاوہ مولوی علاءالدین کو ۲۸ جون ۱۸۵۹ء کو کالا پانی کی سزا دی گئی۔ الہ آباد کے مولوی لیاقت علی نے سرحد میں حریت پسندی کے جوہر دکھائے اور سورت میں ایک مرکز قائم کر کے برسوں انقلابی تحریک کی رہنمائی کی۔

یہ انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ کچھ قوم دشمن اور انگریز پرست عناصر کی سازش سے یہ منظم انقلاب ناکامی سے دوچار ہوا اور لال قلعہ کی فصیل پر صدیوں سے لہراتا ہوا مغلیہ پرچم اتار کر اس کی جگہ حکومت برطانیہ کا پرچم یونین جیک لہرادیا گیا اور پھر اس طرح مسلم حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔

علماء کو اذیتیں

محبان وطن بالخصوص انگریزوں کے خلاف فتویٰ پر دستخط کرنے والے علماء کو جامع مسجد کے سامنے میدان میں جلتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں زندہ جلایا گیا اور گولی مار کر ان کی لاشوں کو درخت پر لٹکا دیا گیا۔ ٹامسن نامی انگریز کے بموجب ''صرف دہلی میں ہی پانچ سو علماء کو انگریزوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی زمانہ میں ٹائمس آف انڈیا میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق انقلاب کی ناکامی کے بعد ''زندہ مسلمانوں کو سور کی

کھال میں سینا، پھانسی دینے سے قبل ان کے جسم میں سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جھونکنا یا باہم بدفعلی کے لیے مجبور کرنا ایک عام بات بن گئی تھی۔

اس سب کی انتہا تو تب مشاہدہ میں آئی جب بہادر شاہ ظفر کے خلاف مقدمہ چلا کر انھیں بغاوت کی قیادت کے الزام میں ملک بدری کا حکم سنایا گیا۔صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ظالم و جابر انگریز حاکم ہڈسن نے ان کے بیٹوں مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور ان کے پوتے مرزا ابوبکر، مرزا عبید اللہ کو بھی قتل کر دیا اور ان کے سروں کو ایک خوان میں سجا کر بہادر شاہ ظفر کے سامنے پیش کر دیا۔

یہ دل خراش منظر دیکھ کر وہ جذبات سے مغلوب نہیں ہوئے، بلکہ بڑی ہمت کے ساتھ برجستہ جواب دیا کہ ''الحمد اللہ'' تیمور کی اولاد اسی طرح سرخ رو ہو کر اپنے باپ کے سامنے آتی ہے۔لیکن ملک بدری کے حکم پر ہندوستان سے رنگون (میانمار) میں جب انہیں نظر بند کیا گیا تو ملک چھوٹنے کے درد نے انہیں بے قابو کر دیا اور وہ ضبط نہ کر سکے۔تبھی ان کے دل کی بات بالآخر زبان پر آ ہی گئی۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

❀❀❀

ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا کردار

اور

یوم آزادی ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء

ہندوستان کو طویل جدوجہد کے بعد آزادی کی نعمت حاصل ہوئی، جس کے لیے ہمارے اسلاف نے زبردست قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا، آخر غیر ملکی انگریز ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوئے۔غیر ملکی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چلیں، تدبیریں کیں، رشوتیں دیں، لالچ دیئے، پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کا اصول بڑے پیمانے پر اختیار کیا، فرقہ وارانہ اختلافات پیدا کیے، حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا، آپس میں غلط فہمیاں پھیلائیں، تاریخ کو مسخ کیا، انگریزوں نے ہندوستان کے معصوم باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور ناحق لوگوں کو تختہ دار پر لٹکایا، ہندوستانیوں پر ناحق گولیاں چلائیں، چلتی ریلوں پر سے اٹھا کر باہر پھینکا، مگر ان کے ظلم وستم کو روکنے اور طوق غلامی کو گردن سے نکالنے کے لئے بہادر مجاہدین آزادی نے ان کا مقابلہ کیا اور ملک کو آزاد کر کے ہی اطمینان کا سانس لیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں یوں تو ہندو اور مسلمان سب ہی شریک رہے لیکن مسلمانوں کا حصہ قدرتی طور پر بہت ممتاز و نمایاں رہا ہے۔انہوں نے جنگ آزادی میں قائد اور رہنما کی ذمہ داری ادا کی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے اقتدار مسلم حکمرانوں سے چھینا تھا، اقتدار سے محرومی کا دکھ اور درد مسلمانوں کو ہوا، انہیں حاکم سے محکوم بننا پڑا، اس کی تکلیف اور دکھ انہیں جھیلنا پڑا، اسی لیے محکومیت و غلامی سے آزادی کی اصل لڑائی بھی انہیں کو لڑنی پڑی۔

انگریزوں کے خلاف ۱۷۵۱ء سے منظم جنگ

انگریزوں سے باقاعدہ منظم جنگ نواب سراج الدولہ کے نانا علی وردی خان نے ۱۷۵۱ء میں کی اور ان کو شکست دی، کلکتہ کا ڈائمنڈ ہار بر Diamond Harbour اور فورٹ ولیم Fort William انگریزوں کا مرکز تھا، علی وردی خان نے فورٹ ولیم پر حملہ کر کے انگریزوں کو بھگا دیا، انگریز ڈائمنڈ ہار بر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اسے پہلی منظم اور مسلح جنگ آزادی قرار دیا جاسکتا ہے۔ علی وردی خان کے بعد ان کے نواسہ نواب سراج الدولہ حاکم ہوئے اور اس خطرہ کو محسوس کیا کہ انگریز ان کے ملک پر آہستہ آہستہ حاوی ہو رہے ہیں اس لئے ان کو ملک سے نکالنا ضروری ہے۔ جس کے لئے مختلف تدبیروں کے ذریعہ انگریزوں کو شکست دینا چاہا، مگر ان کا دربار سازشوں کا اڈہ بن گیا تھا، اس لیے انہیں شکست ہوگئی اور ۱۷۵۷ء میں برٹش فوج نے ان کے دارالسلطنت مرشد آباد میں انہیں شہید کر دیا۔

۱۷۵۷ء، میں پلاسی اور بکسر کی اہم جنگ

تاریخ کے صفحات میں پلاسی کی جنگ ۱۷۵۷ء اور بکسر کی جنگ ۱۷۶۴ء میں ہوئی یہ جنگ بھی ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہوگئی، اس کے بعد انگریز بنگال، بہار اور اوڑیسہ پر پوری طرح حاوی ہوگئے۔

۱۷۸۳ء سے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا کردار

دکن فرمانروا حیدر علی ۱۷۸۲ء اور ان کے صاحبزادہ ٹیپو سلطان جو مستقل انگریزوں کے لیے چیلنج بنے رہے، حیدر علی اور ٹیپو سلطان ۱۷۸۲ء میں حکمراں ہوئے، ۱۷۸۳ء میں انگریزوں سے ٹیپو کی پہلی جنگ ہوئی اور انگریزوں کو شکست ہوئی۔ یہ جنگ ۱۷۸۴ء میں ختم ہوئی، یہ میسور کی دوسری جنگ کہلاتی ہے۔ انگریز اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے بے چین تھے، چنانچہ ۱۷۹۲ء میں انگریزوں نے اپنی شکست کا انتقام لیتے ہوئے حملہ کیا

مگر اپنے بعض وزراء وافسران کی بے وفائی اور اپنی ہی فوج کی غداری اور اچانک حملہ کی وجہ سے ٹیپو معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ ٹیپو کو بطور تاوان تین کروڑ روپئے، نصف علاقہ اور دو شہزادوں کو بطور یرغمال انگریزوں کو دینا پڑا۔

ٹیپو سلطان کی شہادت

ٹیپو نے ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کو انگریزوں سے جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، اس مقصد سے انھوں نے سلطان ترکی سلیم عثمانی، دوسرے مسلمان بادشاہوں اور ہندوستان کے امراء اور نوابوں سے خط وکتابت کی اور زندگی بھر انگریزوں سے سخت معرکہ آرائی میں مشغول رہے۔ قریب تھا کہ انگریزوں کے سارے منصوبوں پر پانی پھر جائے اور وہ اس ملک سے بالکل بے دخل ہو جائیں، مگر انگریزوں نے جنوبی ہند کے اُمراء کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آخر کار اس مجاہد بادشاہ نے امئی کو سرنگا پٹنم کے معرکہ میں شہید ہو کر سرخروئی حاصل کی، اس طرح انگریزوں کی غلامی اور اسیری اور ان کے رحم وکرم پر زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دی، ان کا مشہور تاریخی مقولہ ہے کہ گیڈر کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔ جب جنرل HORSE کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے ان کی لعش پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے کہ: آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔

جنگ آزادی میں شاہ ولی اللہ اور ان کے شاگردوں کا کردار

ٹیپو سلطان کی شہادت اور ہزاروں افراد کے قتل کے بعد ملک میں برطانوی اثرات بڑھتے چلے گئے، انگریز سیاسی اثرات بڑھانے کے ساتھ ساتھ مشنری ورک بھی کر رہے تھے، اس زمانہ میں دینی مدارس بڑی تعداد میں تباہ کیے گئے، ان کوششوں کے ساتھ ساتھ دہلی میں ایک تحریک وجود میں آئی، جس کے بانی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تھے ۱۷۶۲ء میں ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے

۱۸۲۴ء میں اپنے والد کی تحریک کو بڑھایا، وہ انگریزوں کے سخت خلاف تھے۔

۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ

شاہ عبدالعزیزؒ نے ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتوی دیا، جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور سید احمد شہید رائے بریلویؒ کو لبریشن موومنٹ کا قائد مقرر کیا گیا۔

۱۸۳۱ء میں سید احمد شہید کی جہادی کوشش

۱۸۳۱ء میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ بالاکوٹ میں اپنے بے شمار رفقاء کے ساتھ اس ملک کے انسانوں کو آزادی دلانے کے لیے انگریزوں اور ان کے اتحادی سکھ ساتھیوں کے خلاف جہاد میں شہید ہوئے، لیکن یہ تحریک چلتی رہی، مولانا نصیرالدین دہلویؒ نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالی اور ۱۸۴۰ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۷ء تک کی قیادت

ان کے بعد مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ اور ۱۸۵۲ء میں ان کے بھائی مولانا عنایت علی عظیم آبادی نے ۱۸۵۸ء میں اس تحریک کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح یہ جہاد کا قافلہ برابر رواں دواں رہا، حتی کہ ۱۸۵۷ء تک لے آیا۔ علماء کی اس تحریک کو انگریزوں نے وہابی تحریک کے نام سے مشہور کیا (جو نجد کے محمد بن عبدالوہاب نامی عالم کے نظریات پر مبنی تھی) لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کے اکثر افراد ہندوستان ہی کے مشہور عالم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تربیت یافتہ تھے، اور یہ تحریک انہیں کے نظریات پر مبنی تھی، اس لئے اسے ولی اللہی تحریک کا نام دیا جانا چاہیے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کے وقت جہانگیر ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ برطانیہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ایک تجارتی وفد واسکوڈی گاما کے ذریعہ بمبئی کے

ساحل پر اترا اور اس نے حکومتِ وقت سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ تعاون کیا جائے ہم ہندوستان کی تجارت کو مستحکم کرنے کے لئے آئے ہیں یہاں کے مال کو برطانیہ کی منڈی میں لے جائیں گے اور وہاں کے پیسے کو ہندوستان میں لگائیں گے اس وقت کا بادشاہ جہانگیر تھا جو انگریز کی سیاست کو سمجھ نہ سکا اور انگریز کے اس وفد کو بہت زیادہ سہولتیں دیں بڑے بڑے کارخانے لگانے کی اجازت دے دی گئی۔ اور تقریباً ایک صدی کے بعد ۱۷۰۱ء تک ہندوستان کے کئی چھوٹے چھوٹے علاقوں پر انگریز کی حکومت قائم ہوگئی، بالآخر انگریز نے ۱۷۷۱ء میں میسور کے ایک صوبہ پر قبضہ کرلیا اور اس کی گورنری ایک انگریز کے ہاتھ میں آگئی۔

اور اس طرح ہندوستان کے چار بڑے بڑے صوبوں پر ۱۷۴۰ء سے پہلے انگریز حکمراں ہوگیا جبکہ جہانگیر کے دور میں پورے ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی تھی اور بڑی تعداد میں مدارس تھے۔

علماء کی میٹنگ

۱۸۵۶ء میں دلی کے علاقہ میں تمام ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کی میٹنگ ہوئی اس میٹنگ میں مولانا جعفر تھانیسری، مولانا ولایت علی، مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حافظ ضامن شہید یہ سارے لوگ اس کانفرنس میں شریک ہوئے اس میٹنگ میں شریک ہوئے مولانا نونوتوی نے فرمایا کہ تمہیں پتہ نہیں کہ انگریز ہمارے سر پر کھڑا ہے انگریز نے پورے ہندوستان میں اپنی حکومت کا جال بچھا دیا ہے فیصلہ کن لڑائی کے لئے تیار ہوجاؤ یا کٹ جائیں گے یا انگریز کا مقابلہ کریں گے انگریز کو یہاں رہنے نہیں دیں گے مولانا نانوتوی نے یہ بات فرمائی تو ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا کہ حضرت ہماری تعداد تو بہت تھوڑی ہے، ہمارے وسائل تو بہت تھوڑے

ہیں حضرت نانوتوی نے تاریخی بات فرمائی کہ کیا ہماری تعداد غازیان بدر سے بھی کم ہیں یہ بات کہنے کی دیر تھی کہ لوگوں میں جذبہ پیدا ہوا مولانا نانوتوی کی یہ بات موجِ کوثر کتاب میں شیخ اکرام نے لکھی ہے کہ بڑی عجیب بات تھی۔

غدر یا آزادی کی لڑائی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو ہندوستان کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نہیں تھی وہ غدار تھا ہماری کتابوں میں اس آزادی کو غدر کا نام دیا جاتا ہے غدر وہ لوگ نام دیتے ہیں جو انگریزوں کی ذہنیت رکھتے ہیں علماء آزادی کے لئے لڑائی لڑی تھی وہ غدر کیسے ہوسکتا ہے یہ تحریک آزادی تھی جس کے سرخیل حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا جعفر تھانیسری کو پھانسی کا حکم ہوا مولانا یحیٰی علی صاحب کی ڈاڑھی کے بال کاٹے گئے جب پھانسی کا حکم ہوا اور ان کو انبالہ کی جیل سے لاہور لایا گیا جس کی داستان مولانا تھانیسری کالا پانی کی تاریخ میں لکھتے ہیں ''کہ ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہمارے پاؤں میں بیڑیاں اور جسم کوٹ لکپت جیل میں داخل ہوئے جیل کا سپرنٹنڈنٹ کہنے لگا یہ ملّا ایسے باز نہیں آئیں گے ان کو ایک لوہے کے پنجروں میں ڈال دیا جائے مولانا تھانیسری کہتے ہیں کہ ہم تینوں علماء کے لئے انگریز نے لوہے کے پنجرے بنائے ہمارے ہاتھوں اور پیروں سے لہو بہتا تھا ہمیں لوہے کے پنجروں میں ڈالا گیا اور لوہے کے پنجروں میں چونچ دار سلاخیں لگائی گئیں جس کی وجہ سے ہم ٹیک نہیں لگا سکتے تھے ہم بیٹھ نہیں سکتے تھے اور اس کے بعد انہی پنجروں کو مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا اور کہا گیا کہ تم کو ملتان کے ڈسٹرکٹ جیل میں پھانسی دی جائے گی۔

حضرت تھانسیری فرماتے ہیں کہ ہمیں مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال کر وہ ڈبہ

ملتان بھیجا گیا تین مہینہ میں وہ ڈبہ لاہور سے ملتان پہونچا کہیں مہینہ بھر ٹھہرتا اور کہیں دس دن ٹھہرتا تھا لو کا وقت تھا ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کر ملتان کے اسٹیشن سے ڈسٹرکٹ جیل تک لایا گیا اور ہمیں شام کو بتایا گیا کہ صبح تم کو پھانسی ہوگی ہم نے رات کو بڑی خوشی منائی، صبح کے وقت گورا ہمارے کمرے میں آیا اور اس نے کہا مولویو! تمہیں کیا ہو گیا تم خوشیاں مناتے ہو مولانا تھانیسری نے فرمایا ہم اس لئے خوشی مناتے ہیں کہ ہم بڑے گنہگار لوگ ہیں ہم سمجھتے تھے کہ بستر پر موت آئے گی شاید ہمارے گناہوں کی بخشش ہوسکے یا نہ ہوسکے اب تو شہادت کی موت ہوگی اُدھر تم پھانسی دوگے اِدھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوضِ کوثر پر پہونچ جائیں گے۔ اس پر انگریز گورے نے کہا مولویو جس موت سے تم خوش ہوتے ہو وہ موت بھی تمہیں نہیں دی جاسکتی، اس نے کہا تمہیں چودہ چودہ سال کے لئے کالا پانی کی سزا دی جائے۔

ہینری ہیڈ غدر کے متعلق کہتا ہے کہ ''یہ اسلامی بغاوت تھی''۔ قیصر التواریخ میں ہے کہ ستائیس ہزار اہل اسلام نے پھانسی کی سزا پائی۔ سات دن برابر قتل عام رہا۔ ہینری ہملٹن ٹامس لکھتا ہے کہ ''غدر ۱۸۵۷ء کے بانی اور اصل محرک ہندو نہ تھے، بلکہ غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔

۱۸۵۷ء میں علماء کی بغاوت

۱۸۵۷ء میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ اسحاق محدث دہلویؒ اور ان کے شاگردوں کی محنت رنگ لائی، اور ۱۸۵۷ء میں علماء کرام کی ایک جماعت تیار ہوئی۔ ان میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا فضلِ حق خیرآبادیؒ، مولانا سرفرازؒ، حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ، اور مولانا منیر نانوتویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جنگ آزادی میں علماء دیوبند کا کردار

جنگ آزادی میں علما دیوبند کا کردار ۱۸۵۷ء میں شاملی ضلع مظفرنگر کے میدان میں علماء دیوبند نے انگریزوں سے باقاعدہ جنگ کی، جس کے امیر حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ مقرر ہوئے۔ اوراس کی قیادت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا قاسم نانوتویؒ کواور مولانا منیر نانوتویؒ کررہے تھے۔ اس جنگ میں حافظ ضامنؒ شہید ہوئے، مولانا قاسم نانوتویؒ انگریزوں کی گولی لگ کر زخمی ہوئے، انگریزی حکومت کی طرف سے آپ کے نام وارنٹ رہا، لیکن گرفتار نہ ہوسکے اور ۱۸۸۰ء میں وفات پائی، دیوبند میں قبرستان قاسمی میں سپرد خاک ہوئے۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان حالات میں ملک میں رہ کر اب اپنے مشن کو برقرار رکھنا ممکن نہیں، مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ وہاں سے انہوں نے اپنے مریدین ومتوسلین کے ذریعہ ہندوستان میں اپنے ہدایت وفیض کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۸۹۹ء میں وفات پاگئے جنت المعلی میں دفن ہوئے۔

اس زمانہ میں مولانا فضل حق خیرآبادیؒ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ مرتب کرایا جس پر علماء دہلی سے دستخط لیے گئے اور یہی فتوی مولانا کی گرفتاری کا سبب بنا، جب مولانا پر مقدمہ چلا اور جہاد کے فتوی کی عدالت نے تصدیق چاہی، تو مولانا نے کھل کر کہا کہ فتوی میرا ہی مرتب کیا ہوا ہے۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ سپہ سالار کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔ ہومز لکھتا ہے:

مولوی احمد اللہ شاہ شمالی ہند میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا ۱۸۶۵ء میں مولانا احمد اللہ عظیم آبادیؒ، مولانا یحیٰ علیؒ، مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ، مولانا جعفر تھانیسریؒ کو انڈمان بھیج دیا گیا جو کالا پانی کہلاتا ہے۔ اسی زمانہ میں مولانا فضل حق خیرآبادیؒ، مفتی احمد کاکورویؒ اور مفتی مظہر کریم دریابادیؒ کو بھی انڈمان روانہ کیا گیا، جن میں مولانا احمد

اللہ عظیم آبادیؒ، مولانا یحیٰ علیؒ اور مولانا فضل حق خیرآبادیؒ وغیرہ ہم کا وہیں انتقال ہوگیا۔ مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ اور مولانا جعفر تھانیسریؒ اللہ اٹھارہ سال کی قید بامشقت اور جلاوطنی کے بعد ۱۸۸۳ء میں اپنے وطن واپس ہوئے۔

۱۸۶۵ء سے ۱۸۸۳ء تک علماء کی آزمائش

مولانا جعفر تھانیسریؒ اپنی کتاب کالا پانی میں تحریر فرماتے ہیں: غدر کے ملزمان انگریزوں کی نگاہ میں اتنے بڑے مجرم سمجھے گئے کہ ۱۸۵۷ء میں پکڑے گئے لوگوں کو یا سر عام پھانسی دے دی گئی یا بہت سے لوگوں کو اسی جزیرے انڈمان میں موت سے بدتر زندگی گذارنے کے لیے بھیجا گیا۔ مولانا جعفر تھانیسریؒ نے جزیرہ انڈمان کی زندگی پر بہت ہی مفصل آپ بیتی کالا پانی کے نام سے لکھی ہے۔

اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو گرفتار کیا گیا اور سہارن پور کے قید خانہ میں رکھا گیا، پھر کچھ دن کال کوٹھری میں رکھ کر مظفرنگر کے قید خانہ میں منتقل کیا گیا۔ چھ ماہ تک آپ کو قید وبند کی مصیبتیں جھیلنی پڑی۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ جو گنگوہ کی سرزمین میں مدفون ہیں۔

۱۸۵۷ء کی فتح

۱۸۵۷ء کی جنگ میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی، مگر یہ شکست نہیں، فتح تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے اسلام پر حملہ کیا اسلامی عقائد، اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب کو ہندوستان سے ختم کرنے کا فیصلہ کیا، یہاں سے انگریزوں کا زوال شروع ہوا، حکومت برطانیہ کا لارڈ میکالے جب وایسرائے بن کر آیا تو اس نے مغربی تہذیب اور مغربی فکر، نصرانی عقائد قائم کرنے کا ایک پروگرام بنایا، اس نے کہا: میں ایک ایسا نظام تعلیم وضع کرجاوں گا جو ایک ہندوستانی مسلمان کا جسم تو کالا ہوگا مگر دماغ گورا یعنی انگریز کی طرح سوچے گا۔

برطانیہ کے وائسرائے کی رپورٹ

انگریز وائسرائے برطانیہ نے اپنے ہندوستان کے وزراء اور ہندوستان کے اپنے مشیروں سے رپورٹ طلب کی کہ بتاؤ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد تمہاری حکومت ہندوستان میں کیسے قائم رہ سکتی ہے تو ڈاکٹر ولیم جو ہندوستان کا بہت بڑا سیاست دانوں میں سے تھا اس نے وائسرائے برطانیہ کو اس طرح رپورٹ بھیجی۔ اس نے لکھا کہ:

''ہندوستان میں مسلمان بہت زیادہ بیدار ہیں اور جنگِ آزادی صرف مسلمانوں نے لڑی ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں جب تک جذبہ جہاد موجود ہے اس وقت تک ہم لوگ مسلمانوں پر حکومت نہیں کر سکتے اس لئے جذبۂ جہاد کا ختم کرنا ضروری ہے اور جذبہ جہاد سے پہلے ایک اور چیز کو ختم کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے علماء کو ختم کر دیا جائے اور قرآن کریم کو ختم کر دیا جائے''۔

قرآن مجید کی بے حرمتی

اس طرح ۱۸۶۱ء میں ہندوستان میں تین لاکھ قرآن کریم کے نسخے انگریز نے جلائے اور اس کے بعد علما کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ انگریز مؤرخ مسٹر تھامسن اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ ۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک انگریز نے علماء کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ تین سال ہندوستان کی تاریخ کے بڑے المناک سال ہیں ان تین سالوں میں انگریز نے چودہ ہزار علماء کو فانسی کے تختے پر لٹکایا تھا۔

علماء کو دردناک سزائیں

تھامسن کہتا ہے کہ دلی کے چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی درخت ایسا نہ تھا جس درخت پر علماء کی گردنیں نہ لٹکی ہوں اسی طرح علماء کو سوروں کی کھالوں میں بند کر کے جلتے ہوئے تنوروں میں ڈالا جاتا تھا اور علماء کے جسموں کو تانبے سے داغا جاتا تھا اور

علماء کو درختوں سے باندھ دیا جاتا، لاہور کی شاہی مسجد جس کے صحن میں انگریز نے پھانسی کا پھندا بنایا تھا اور ایک ایک دن میں اسی اسی علماء کو پھانسی دی جاتی تھی اور لاہور کی دریا راوی میں اسی اسی علمای کو بوریوں میں بند کر کے ڈالا جاتا اور اوپر سے گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا تھا۔

تھامسن کہتا ہے کہ میں اپنے دلی کے خیمے میں گیا تو مجھے محسوس ہوا کہ مردار کی بدبو ہے میں اپنے خیمے کے پیچھے چلا گیا تو دیکھتا ہوں کہ آگ کے انگارے دہک رہے ہیں اور ان انگاروں کے اوپر چالیس علماء کے کپڑے اتار کر ان علماء کو ان انگاروں پر ڈالا گیا وہ کہتا ہے میرے دیکھتے دیکھتے چالیس اور علماء کو لایا گیا اور میرے سامنے ان علماء کے کپڑے اتارے گئے اور انگریز نے کہا مولویوں: جس طرح ان چالیس علماء کو آگ پر پکایا گیا تمہیں بھی پکا دیا جائے گا تم صرف یہ کہہ دو کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہم شریک نہیں تھے ابھی چھوڑ دیتے ہیں تھامسن کہتا ہے کہ مجھے پیدا کرنے والے کی قسم میں نے دیکھا کہ کوئی عالم ایسا نہیں جس نے انکار کیا ہو سارے کے سارے علماء آگ پر پک گئے دوسرے علماء بھی آگ پر پک گئے مگر کوئی عالم بھی ایسا نہیں تھا جس نے انگریز کے سامنے گردن جھکائی ہو۔

ان کی قربانیوں کا ذکر کیوں نہیں ہوتا

آج ہندوستان کا کوئی ٹھیکدار بنتا ہے کہ جناب فلاں کی کوشش سے ہندوستان بن گیا آج ہمیں اپنے اسلاف کی تاریخ کا پتہ نہیں ہے؟ ہندوستان بنانے میں اگر انہی لوگوں کا ذکر ہو جن کا بعض لوگ کرتے ہیں تو یہ چودہ ہزار علماء پھانسی کے تختے پر چڑھے ان کی قربانیاں کہاں چلی گئیں یہ کس لئے لڑے اور شہید ہوئے انہوں نے اپنی گردیں کس لئے کٹائیں کیا ہندوستان کی بنیادی تعمیر میں ان علماء کی قربانیوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

احمد اللہ شاہؒ کی غیرت

احمد اللہ شاہ مدراسی کی تاریخ پڑھئے کہ جس کو انگریز نے ہتھکڑیاں پہنا کر گورے کے سامنے جب پیش کیا تو وہ گورا افسر اٹھ کر رونے لگا اس نے کہا شاہ صاحب آپ تو میرے استاذ ہیں میں نے تو مدراس میں آپ سے عربی کی کتاب پڑھی ہے صاحب لوگوں کا حکم ہے آپ پر وارنٹ ہے ایک دفعہ کہہ دیں کہ ہم ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شریک نہیں تھے ابھی چھوڑ دیں گے مولانا احمد شاہ نے بڑی عجیب بات کہی کہ او میرے شاگرد انگریز میں جان کو بچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

مدارس کو ختم کرنے کا فیصلہ

۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک پورے ہندوستان میں علماء کو انگریز نے ختم کر دیا چند گنے چنے علماء ہندوستان میں موجود تھے ۱۸۶۷ء میں کوئی دینی مدرسہ اپنی اصل حالت پر باقی نہیں تھا آپ حیران ہوں گے ۱۶۰۸ء میں جب انگریز ہندوستان آیا تھا تو ایک ہزار سے زائد مدارس کا خاتمہ کر دیا شاہ ولی اللہ کے مدرسہ کو ختم کر دیا ۱۸۶۷ء میں کوئی مدرسہ باقی نہ رہا، مولانا نانوتوی نے ۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء میں دیوبند کی بستی میں انار کے درخت کے نیچے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اسی مدرسہ کو دار العلوم دیوبند کہتے ہیں۔

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام

۱۸۸۴ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، جس میں بعض ممتاز اہل علم واہل فکر مسلمان بھی شریک تھے، اور اس کا قیام ۱۸۸۵ء میں عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں بدرالدین طیب جی اور رحمت اللہ سیانی تھے، کانگریس کا چوتھا اجلاس ۱۸۸۷ء میں مدراس میں ہوا، جس کی صدارت بدرالدین طیب جی نے کی۔

۱۹۱۲ء میں ریشمی رومال کی تحریک

۱۹۱۲ء میں ریشمی رومال تحریک کی ابتدا ہوئی، جس کے بانی فرزندِ اول دار العلوم دیوبند تھے، جن کو دنیا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام سے جانتی ہے۔ بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ آپ شیخ الہند انگریزی حکومت اور اقتدار کے سخت ترین مخالف تھے، سلطان ٹیپو کے بعد انگریزوں کا ایسا دشمن اور مخالف دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس تحریک میں اہم رول آپ کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ادا کیا، افغانستان کی حکومت کو مدد کے لئے تیار کرنا اور انگریزوں کے خلاف رائے عامہ بنانا مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا مشن تھا۔ شیخ الہندؒ کے نمائندے ملک کے اندر اور ملک کے باہر سرگرم اور فعال تھے، افغانستان، پاکستان، صوبہ سرحد اور حجاز کے اندر قاصد کا کام کر رہے تھے، خلافتِ عثمانیہ کے ذمہ داروں سے مثلاً انور پاشاہ وغیرہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، اور ترکی جانے کا شیخ الہند نے خود عزم مصمم کر لیا تھا۔

اس مقصد کے لئے پہلے وہ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً دو سال قیام رہا، اس اثنا میں دو حج کیے مکہ مکرمہ پہنچ کر حجاز میں مقیم ترک گورنر غالب پاشا سے ملاقاتیں کیں، اور ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا سے بھی ملاقات کی، جو ان دنوں مدینہ آئے ہوئے تھے، انہیں ہندوستان کی صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے منصوبہ سے واقف کرایا، ان دونوں نے شیخ الہندؒ کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے، ان کے منصوبے کی تائید کی اور برطانوی حکومت کے خلاف اپنے اور اپنی حکومت کے تعاون کا یقین دلایا، مولانا عبید اللہ سندھیؒ کابل سے ریشمی رومال پر جو راز دارانہ خطوط شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو مکہ مکرمہ روانہ کیے تھے، ان کو حکومت برطانیہ کے لوگوں نے پکڑ لیا، یہی شیخ الہندؒ کی گرفتاری کا سبب بنی اور پورے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔

۱۹۱۶ء میں علماء کی گرفتاریاں اور ظلم کے پہاڑ

۱۹۱۶ء میں شریف حسین کی حکومت نے ان کو مدینہ منورہ میں گرفتار کر کے انگریزی حکومت کے حوالہ کر دیا۔شریف حسین نے خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت اور غداری کی تھی ، وہ برطانوی حکومت کا وفادار دوست تھا اور خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کی تحریک آزادی کا شدید مخالف تھا ۱۹۱۷ء میں شیخ الہندؒ اور ساتھیوں کو بحیرۂ روم میں واقع جزیرہ مالٹا جلاوطن کیا گیا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ ،مولانا عزیز گل پیشاوریؒ ،مولانا حکیم نصرت حسینؒ ، مولانا وحید احمدؒ وغیرہ ہم نے مدتوں اپنے استاذ شیخ الہندؒ کے ساتھ مالٹا کے قید خانہ میں سختیاں برداشت کیں ، مالٹا کے قید خانہ میں انگریزوں نے شیخ الہندؒ کے ساتھ ظالمانہ برتاو کیا جس میں سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔

شیخ الہند کی قربانیاں

مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ الہندؒ کو مالٹا جیل میں نظر بند کیا گیا تو انگریز میرے استاد کو ایک تہہ خانہ میں لے گئے اور لوہے کی گرم تپتی ہوئی سلاخیں لے کر کمر پر لگاتے رہے اور ساتھ میں یہ فرماتے رہے کہ اے محمود حسن !انگریز کے حق میں فتویٰ دے جب شیخ الہندؒ ہوش میں آتے تو صرف یہی فرماتے تھے کہ اے انگریز ! میرا جسم پگھل سکتا ہے، میں بلال کا وارث ہوں ، میری جلد ادھیڑ سکتی ہے لیکن میں ہرگز ہرگز تمہارے حق میں فتوی نہیں دے سکتا۔

شیخ الہند کی تحریک میں مولانا منصور انصاریؒ ،مولانا فضل ربیؒ ،مولانا فضل محمودؒ، مولانا محمد اکبرؒ کا شمار اہم ارکان میں تھا۔مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ ،مولانا محمد احمد چکوالیؒ ، مولانا صادق کراچویؒ ، شیخ عبدالرحیم سندھی ،مولانا احمد اللہ پانی پتی ، ڈاکٹر احمد انصاری وغیرہ

سب مخلصین بھی مخلصانہ تعلق رکھتے تھے،ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہرؒ مولانا عبدابولکلام آزادؒ ،مولانا احمد علی لاہوریؒ ،حکیم اجمل خان وغیرہ بھی آپ کے مشیر ومعاون تھے۔

۱۹۱۸ء میں تحریک خلافت

جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۸ء میں ترکوں کی شکست ، انگریزوں کے قسطنطنیہ پر قبضے اور اتحادیوں کے ہاتھوں سلطنت ترکی کی تقسیم سے دنیائے اسلام بالخصوص ہندوستان میں تہلکا مچ گیا۔مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی کوششوں سے ملک بھر میں احتجاجی جلسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دہلی میں ۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کانفرنس ہوئی ، جس میں خلافت تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔اسی اجلاس میں ترک موالات یعنی مال کو بائی کاٹ کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ یہ وہ عظیم تحریک تھی جس سے ملک کے تمام علماء کے ساتھ ہی غیر مسلمین بالخصوص گاندھی جی بھی شانہ بہ شانہ برابر شریک رہے۔

۱۹۱۹ء میں جمعیت علماء ہند کا قیام

۱۹۱۹ء میں جمعیت علما ہند کا قیام عمل میں آیا جس کے بنیادی ارکان میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ،مولانا حسین احمد مدنیؒ ،مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ،مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ،مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ،مولانا محمد علی جوہر ،مولانا شوکت علی ،مولانا ابوالمحاسن سجاد ،مولانا احمد علی لاہوری ،مولانا ابوالکلام آزاد ،مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ،مولانا احمد سعید دہلوی ،مولانا سید محمد میاں دیوبندی جیسے دانشوران قوم تھے۔شیخ الہندؒ کی رہائی کے بعد سب سے پہلے ۲۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو ترک موالات کا فتویٰ شائع کیا گیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے جاں نثار شاگرد مولانا حسین احمد مدنیؒ نے آپ کے اس مشن کو جاری رکھا ،مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی وفات کے بعد ۱۹۴۰ء سے تادم آخیر جمعیت علماء ہند کے صدر رہے ، کئی بار برطانوی عدالتوں میں پھانسی کی سزا سے بچے ،

آپ انگریزوں کی حکومت سے سخت نفرت رکھتے تھے، آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز تھے۔ آزادی کے بعد اصلاحی کاموں میں مصروف ہو گئے، دینی خدمت وتزکیہ نفوس کے مقدس مشن میں لگے رہے، ۳دسمبر ۱۹۵۷ء میں وفات پائی۔

جلیاں والا باغ سانحہ

۱۹۱۹ء میں جلیاں والا باغ سانحہ جس میں بہت سے افراد ہلاک ہوئے، انہیں ایام میں تحریکِ خلافت وجود میں آئی جس کے بانی مولانا محمد علی جوہر تھے، اس تحریک سے ہندو مسلم اتحاد عمل میں آیا۔ گاندھی جی، علی برادارن مولانا جو محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی اور مسلم رہنماؤں کے ساتھ ملک گیر دورہ کیا، اس تحریک نے عوام اور مسلم علماء کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا، جن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، مولانا آزاد سبحانی، مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا سید محمد فاخر، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا احمد سعید دہلوی وغیرہ ہم شریک تھے، الغرض ہندوستان کے اکابر علما نے سالہا سال کے اختلافات کو نظر انداز کر کے تحریکِ خلافت میں شانہ بشانہ کام کیا۔

تحریک ترک موالات

۱۹۲۰ء میں گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے غیر ملکی مال کے بائیکاٹ اور نان کوآپریشن ترک موالات کی تجویز پیز کی، یہ بہت کارگر ہتھیار تھا جو اس جنگ آزادی اور قومی جدو جہد میں استعمال کیا گیا، انگریزی حکومت اس کا پورا پورا نوٹس لینے پر مجبور ہوئی اور اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ پورا ملکی نظام مفلوج ہو جائے اور عام بغاوت پھیل جائے، آثار انگریزی حکومت کے خاتمہ کی پیشینگوئی کر رہے تھے۔ ہندوستانی مسلمان ۱۹۲۱ء میں موپلا بغاوت ۱۹۲۲ء میں چوراچوری میں پولیس فائرنگ ۱۹۳۰ء میں تحریک سول نافرمانی ونمک آندولن وغیرہ جیسی تحریکیں وجود میں آئیں۔

مولانا محمد علی جوہرؒ کا انتقال

۱۹۳۱ء میں مولانا محمد علی جوہر گول میز کانفرنس Round Table Conference لندن میں شرکت کے لیے گئے تھے اتفاق سے وہیں انتقال کر گئے، حکومت نے اپنے خرچ پر ان کی لاش کو بیت المقدس بھیجا اور اسی مقدس سرزمین میں مدفون ہوئے۔

ہندوستان چھوڑ وتحریک

۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک Quit India Movement میں ممبئی میں بحری بیڑے کی بغاوت کی حمایت میں ہونے والے مظاہروں پر پولیس فائرنگ کے دوران ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ انگریزوں کی قید وبند کے مصائب جھیلنے اور ان کی گولیوں کا نشانہ بننے والوں کی تعداد تو شمار سے باہر ہے۔ عام مسلمانوں کے علاوہ شہید علماء کی تعداد بیس ہزار سے پچاس ہزار تک بتائی جاتی ہے، مگر ان اہم لیڈروں اور ان اہم واقعات کے بغیر پوری تاریخ ادھوری اور حقیقت سے کوسوں دور ہے، جن میں مذکورہ بالا شخصیتوں کے علاوہ بہادر شاہ ظفر، بیگم محل، نواب مظفر الدولہ، امام بخش صہبائی، مولانا برکت اللہ بھوپالی، مولانا حسرت موہانی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا مظہر الحق، ڈاکٹر سید محمود وغیرہم نے جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا، ان کے علاوہ بھی ایک بڑی تعداد کا ذکر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے، جس کی یاد دلوں میں تازہ اور تاریخ کی نئی کتابوں میں محفوظ رہنی چاہئے۔ غرض ہر طرح ہر موقع پر مسلمان جنگِ آزادی میں لڑتے رہے ہیں، جن کو آج فراموش کیا جا رہا ہے۔

آخری دور کے علماء کی قربانیاں

جنگ آزادی میں حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور فرزندان دارالعلوم دیوبند شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ مولانا حسین احمد مدنی

ؒ ،مولانا عبیداللہ سندھیؒ ،مولانا عزیز گل پیشاوریؒ ،مولانا منصور انصاریؒ ،مولانا فضل ربیؒ ، مولانا محمد اکبرؒ ،مولانا احمد چکوالیؒ ،مولانا احمد اللہ پانی پتیؒ ،مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ وغیرہ ہم کوفراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

آزادی کی پہلی صبح

ہندوستان میں ہندوستانیوں کی عارضی حکومت قائم ہوچکی ، پنڈت جواہر لال نہرو وصدرِ کانگریس اس کے وزیرِ اعظم بنائے گئے اور سردار پٹیل وزیرِ داخلہ اور وزیرِ مالیات نواب زادہ لیاقت علی خاں ۹ رد سمبر ۱۹۴۶ء کو مجلس دستور ساز ہند کی رسمِ افتتاح ادا کی گئی اس افتتاحی اجلاس میں مسلمانوں کی نمایاں شخصیتوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خان (وفات ۲۲ رجنوری ۱۹۸۸ء) مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی اور رفیع احمد قدوائی رونق افروز تھے اور دسمبر ۱۹۴۶ء کو ڈاکٹر راجندر پرشاد کو بالاتفاق دستورساز اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا تمام صوبوں میں منتخب شدہ نمائندوں پر مشتمل حکومتیں قائم ہوچکی تھیں ، اب وائسرائے ہند لارڈ ویول کی جگہ ایڈمرل وائیکاونٹ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند بنکر دہلی آئے۔

شمع آزادی کے چند پروانے ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء تک

۱۔عبدالمجید ۲۔عبدالرحیم ۳۔عبدالشکور ۴۔شیخ علاءالدین ۵۔شیخ علاءالدین ۶۔محمد حنیف ۷۔محمد ہاشم ۸۔حاتم علی ۹۔محمد ادریس ۱۰۔محمد اسحاق ۱۱۔محمد اسمٰعیل ۱۲۔جناب میاں ۱۳۔کبیر اشرفی ۱۴۔میر عبداللہ ۱۵۔محمد مسلم ۱۶۔رفیق میاں ظفر میاں ۱۷۔نواب رشید خان ۱۸۔سید عرف چھوٹو ۱۹۔شیخ محمد حنیف ۲۰۔شیخ محمد عثمان ۲۱۔شیخ دھنک ۲۲۔محمد صدیق ۲۳۔ سلطان خان ۲۴۔مولوی تجمل حسین ۲۵۔ ابوبکر ۲۶۔محمد امین ۲۷۔محمد یوسف ۲۸۔ غلام شریف ۲۹۔ امتیاز خان ۳۰۔ضمیر الدین ۳۱۔قدم رسول ۳۲۔محمد حارث ۳۳۔ پاپا میاں ۳۴۔شمس الدین ۳۵۔یعقوب علی ۔۳۶۔مولانا ابوالکلام آزاد

۳۷۔مولانا محمد علی جوہر ۳۸۔مولانا شوکت علی ۳۹۔مولانا حسرت موہانی ۴۰۔تصدق حسین شروانی ۴۱۔مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۴۲۔مولانا سید محمد میاں ۴۳۔مولانا مفتی کفایت اللہ ۴۴۔مولانا احمد سعید دہلوی ۴۵۔مولانا عبدالحلیم صدیقی ۴۶۔عطاء اللہ شاہ بخاری ۴۷۔علامہ انور صابری ۴۸۔مسٹر آصف علی بیرسٹر ۴۹۔مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ۵۰۔رفیع احمد قدوائی ۵۱۔وزیر محمد ۵۲۔تاج محمد فضل محمد ۵۳۔عبدالعلی دین محمد ۵۴۔عبدالعزیز ۵۵۔عبدالعزیز عبدالرزاق ۵۶۔عبدالعزیز عبدالرحمٰن ۵۷۔عبدالغنی ۵۸۔عبدالکریم ۵۹۔عبدالستار محمد عمر ۶۰۔عبداللہ عبدالقادر ۶۱۔محمد حسین آدم جی ۶۲۔علی محمد ۶۳۔انوار حسین ۶۴۔اصغر اسمٰعیل ۶۵۔اصغر میاں نواستی ۶۶۔عزیز عرف چھوٹو ۔ ۶۷۔دلاور عبدالملک ۶۸۔فدا علی قیام علی ۶۹۔غلام حسین علی محمد ۷۰۔ابراہیم یوسف ۷۱۔اسمٰعیل حسین ۷۲۔اسمٰعیل حسین ۷۳۔اسمٰعیل رحمت اللہ ۷۴۔خدا بخش پیارے ۷۵۔منظور احمد ۷۶۔محمد ابوبکر ۷۷۔محمد عزیز ۷۸۔محمد حسین ۷۹۔محمد حسین سید حسین ۸۰۔غلام شیخ محی الدین ۸۱۔محمد سمیع ۸۲۔مولا بخش عبدالعزیز ۸۳۔ذکی الدین سلیمان جی۔

❁❁❁

باب (دوم)

یوم جمہوریہ

یعنی

۲۶؍جنوری ۱۹۵۰ء کا پس منظر

یوم جمہوریہ کا پس منظر

ہندوستان پر غیر ملکی قوموں نے متعدد بار حملہ کیا، لیکن ان کے حملے اور زمانہ اقتدار کو دوام حاصل نہیں ہوا، چنانچہ ان کو ملک چھوڑ کر جانا پڑا، ۱۵؍صدی کے بالکل آخر میں یورپین اقوام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، پرتگالیوں اور فرانسیسیوں کے بعد سب سے آخیر میں ہندوستان آنے والے برطانوی تھے، انہوں نے تجارت کے راستہ سے ہندوستان میں اپنی جڑیں مضبوط کیں، مسلمان بادشاہوں کی غفلت کا فائدہ اٹھایا اور ایک دن ایسا آیا کہ وہ اس ملک کے حاکم ہوگئے۔

۲۶؍جنوری ۱۹۵۰ء اور دستور ہند

علماء نے شرعی اصولوں کے مطابق دارالحرب کا فتویٰ دیا تاکہ یہاں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی گزارنے کی فضا قائم ہو اس کے لئے سخت سے سخت قربانیاں دیں اور باشندگان ہند نے ایک جسم ہوکر برطانوی قوم کو ہندوستان سے نکالنے کا عزم کیا، بے پناہ قربانیوں، خطیر رقومات اور اثاثے منجمد ہونے کے بعد ملک ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا، اور آزادی ملنے کے بعد بھی برطانوی قانون ہی یہاں کے معاشرہ میں جاری رہا، اس کے تین سال کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر کی قیادت میں ہندوستان کے طبقات اور مذاہب کی رعایت کے ساتھ ایک قانون بنایا گیا، جس کو ۲۶؍جنوری ۱۹۵۰ء میں نافذ کیا گیا۔ اسی خوشی میں ہر سال کی ۲۶ جنوری کو جشن منایا جاتا ہے۔

جمہوری نظام

۲۶؍جنوری ۱۹۵۰ء ہندوستانی قانون کے نافذ کئے جانے کا یوم آغاز ہے، اسی دن کو بطور یادگار منانے کے لئے ہر سال ۲۶؍جنوری کو تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ تقریبات قانون کی بالادستی اور جمہوری نظام کے استحکام کو واضح کرتی ہیں، جمہوریت کے

معنیٰ ہیں عوامی حکومت اور جمہوریت کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے: عوام کی حکومت، عوام کے لئے، عوام کے ذریعہ۔

دستور ہند کی چند اہم خصوصیات

۱۔ تحریری اور مفصل دستور ۲۔ ٹھوس اور لچکدار ۳۔ سیکولر اشتراکی، عوامی جمہوریت ۴۔ پارلیمانی طرز حکومت ۵۔ وفاقی نظام ۶۔ بنیادی حق ۷۔ آزاد عدلیہ ۸۔ واحد شہریت وغیرہ جیسی بہت سے خصوصیات ہیں۔

حکومت کے تین طریقے

دنیا میں حکومت کے تین طریقے رائج ہیں: (۱) جمہوری (۲) شاہی (۳) شورائی۔ ان تینوں طریقوں میں جمہوریت کا آج کل بہت غلبہ ہے اور دنیاوی نظام کو چلانے میں یہ نظام بڑا مؤثر تصور کیا جاتا ہے۔ شاہی نظام میں آباء واجداد سے حکومت کا آغاز ہوتا ہے اور موروثی طور پر خاندان کے افراد میں منتقل ہوتی ہے، اس نظام میں ایک خاندان کے چند افراد کے درمیان حکومت منتقل ہوتی رہتی ہے شورائی نظام میں چند باصلاحیت اور ذی رائے افراد کی آراء کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، انہیں کے ذریعہ معاملہ کی تہہ تک پہونچا جاسکتا ہے، اور جو بات ان افراد کے واسطے سے نکل کر آتی ہے وہ پختہ ہوتی ہے۔

جمہوریت کے عناصر

کسی بھی چیز کی بقاء کے لئے اس کے مختلف عناصر ہوتے ہیں، یہ عناصر اس کو استحکام عطا کرتے ہیں، بلکہ اس کو قوت وطاقت پہونچاتے ہیں، یہ عناصر مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ انتظامیہ ۲۔ مقنّنہ ۳۔ عدلیہ ۴۔ میڈیا

یہ جمہوریت کا مختصر تعارف ہے، ہندوستان کی جمہوریت ان ہی اصولوں وضوابط کی پابند ہے، اس میں رنگ ونسل، مذہب وذات، جنس اور سکونت کی بنیاد پر تقسیم کو منع کیا گیا ہے، لہٰذا ہر باشندے کا اخلاقی فرض ہی نہیں بلکہ قانونی فرض ہے کہ وہ جمہوریت کے ان اصولوں کی رعایت رکھے، یہی یوم جمہوریہ کا اصل مقصد ہے۔

باب (سوم)

قومی پرچم

اور

اس کی حقیقت

قومی پرچم کی پہچان

کسی بھی ملک کی پہچان کے لیے اس کا ایک نشان، پرچم کی شکل میں ہوتا ہے جسے قومی پرچم کہتے ہیں۔ یہ پرچم ملک کے قومی نظریات کی ترجمانی کرتا۔ ہمارے ملک، ہندوستان کا بھی قومی پرچم ہے جس کی ایک تاریخ ہے۔ جیسا کہ اس ملک کے مختلف دور میں مختلف نام رہے ہیں ۱۹۴۷ء کے بعد قانونی طور پر اس ملک کا نام بھارت سنگھ کے طور پر موسوم کیا گیا اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت اس ملک کا نام بھارت سنگھ ہے اور بھارت سنگھ کے قومی جھنڈے کا نام ''ترنگا'' ہے۔ یہ ہمارے ملک کی پہچان کے ساتھ ساتھ آزادی کی لمبی لڑائی کی علامت ہے۔ ۲۲؍جولائی ۱۹۴۷ء کو پارلیامنٹ میں ''ترنگے'' کو قومی جھنڈا تسلیم کیا گیا اور قوم کی آزادی کی پہچان قرار پایا۔

آزادی سے پہلے کے چند جھنڈوں کا ذکر

بھارت کی آزادی کے پہلے سے اس جھنڈے کی شروعات ہوتی ہے۔ سوامی ویویکانند کی آئرلینڈ کی ایک شاگردہ تھیں جنہوں نے ۱۹۰۴ء میں پہلا قومی جھنڈا بنایا۔ چونکہ ان کا نام 'سسٹر نویدتا' تھا اس لیے اس جھنڈے کا نام بھی 'سسٹر نویدتا کا جھنڈا' کہا گیا۔ اس جھنڈے میں پیلا اور لال رنگ کا استعمال کیا گیا تھا۔ ''پیلا رنگ'' کامیابی کی علامت اور ''لال رنگ'' آزادی کی جدوجہد کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔

'سسٹر نویدتا' کے پرچم کے بعد ۱۹۰۶ء میں ایک دوسرا قومی جھنڈا بنایا گیا جس میں 'نیلا' 'پیلا' اور 'لال' رنگوں کی پٹیاں لگائی گئیں۔ نیلے رنگ کی پٹی میں 'سورج' اور تارے کا نشان بنایا گیا۔

اسی سال اس پرچم میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی اور پہلے کے رنگ کو بدل کر نئے رنگوں میں نارنگی، پیلا اور ہرا رنگ استعمال کیا گیا اور اسے 'کمل جھنڈا' یا 'کلکتہ جھنڈا' کا نام

دیا گیا۔ قومی ایکتا اور آزادی کی جدوجہد اس کا مقصد تھا۔

۲۲؍اگست ۱۹۰۷ء کو 'شیام جی کرشن ورما'، میڈم بھیکا جی کاما' اور 'ویر ساورکر' نے ایک نیا پرچم ترتیب دیا تھا جس کا نام 'میڈم بھیکا جی کاما' کا پرچم رکھا گیا تھا۔ یہ پرچم ۱۹۰۶ء میں بنائے گئے پرچم کی طرح ہی تھا جس کے رنگ اور پھول میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی تھی۔ اسے ۱۹۰۷ء میں غیر ملک جرمنی میں پہلی بار لہرایا گیا۔ اس طرح سے اس پرچم کو 'برلن کمیٹی پرچم' بھی کہا گیا۔ اس میں بھی تین رنگ، اوپر ہرا، بیچ میں سنہری اور نیچے کیسریا کا استعمال کیا گیا تھا۔

۱۹۱۶ء میں ایک نیا پرچم 'لوک مانیہ تلک' اور ڈاکٹر اینی بیسنٹ' نے ترتیب دیا۔ اس پرچم کو کلکتہ کے اجلاس میں پھہرایا گیا۔ پرچم میں 'سفید'، 'ہرے'، 'نیلے' اور 'لال' رنگ کو پٹیوں کی شکل میں استعمال کیا گیا تھا۔ پانچ لال رنگ کی پٹیاں اور چار ہرے رنگ کی پٹیوں کے ذریعہ 'شیر' کی شکل بنائی گئی تھی۔ سفید رنگ کی پٹی میں سات عدد تارے بنے تھے جن کا مفہوم تھا 'سات رشی'۔

۱۹۱۷ء میں 'بال گنگا دھر تلک' نے ایک نئے پرچم سے روشناس کرایا۔ بال گنگا دھر تلک 'ہوم رول لیگ' کے لیڈر تھے۔ اس پرچم میں اوپر کی طرف 'یونین جیک' (برطانیہ کا قومی پرچم) جو وقت کی ضرورت تھی۔ اس پر سات عدد تارے بھی بنے تھے جو سات 'رشیوں' کی علامت تھے۔ پرچم چار نیلے اور پانچ لال رنگ کی پٹیوں سے بنا تھا۔ آدھا چاند اور ایک تارا بھی بنا تھا لیکن یہ لوگوں میں مقبول نہیں ہوسکا۔

۱۹۲۱ء میں مہاتما گاندھی جی نے، آئرلینڈ کی، سسٹر نویدتا' والے پرچم کے نمونے پر ہی تین رنگوں والا پرچم ترتیب دیا جس میں 'سفید'، 'ہرا' اور 'لال' رنگوں کا استعمال کیا گیا۔

سب سے اوپر 'سفید' رنگ سچائی کی علامت کے لیے رکھا گیا، بیچ میں ہرا رنگ زراعت کی علامت ظاہر کرنے والا تھا۔ پرچم کے سب سے نیچے لال رنگ تھا جو طاقت اور

آزادی کی جدوجہد کی علامت ظاہر کرتا تھا۔

۱۹۳۱ء میں 'بنگالی وینکیاّ' نے ایک نیا پرچم ترتیب دیا۔ اس میں بھی سفید، ہرا اور لال تین رنگ تھے۔ اس پرچم میں کیسریا رنگ سب سے اوپر تھا جو طاقت کی علامت تھا، سچائی کی علامت والا سفید رنگ بیچ میں تھا۔ پرچم کے نیچے والا حصہ ہرا تھا جو زمین اور زراعت کی علامت تھا۔ پرچم کے بیچ میں نیلے رنگ کا چرخہ بنایا گیا تھا۔

آزادی کے بعد کا جھنڈا

۱۹۴۷ء میں اس تین رنگوں والے پرچم میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی اور چرخہ کی جگہ پر 'چکر' کو رکھ کر اسے 'قومی جھنڈا' تسلیم کر لیا گیا۔

چونکہ قومی جھنڈے میں تین رنگوں کا استعمال ہوا ہے اس لئے اس کا نام 'ترنگا' رکھا گیا۔ ۲۲/جولائی ۱۹۴۷ء کو اسے پارلیامنٹ میں بنگالی ونیکیاّ کے ترتیب دئے گئے پرچم کو قومی جھنڈے کی شکل میں تسلیم کر لیا گیا جو ملک کی آزادی کے لیے قوم کی جدوجہد کی علامت ہے۔

ترنگا جھنڈا کی حقیقت

ہندوستانی پرچم کو ترنگا کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے تین رنگوں والا۔ 1931 میں جب ہندوستانی پرچم متحدہ ہندوستان میں متعارف کروایا گیا تھا تو اس کے دو رنگوں کی شناخت اس وقت کے ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے طور پر کی رکھی گئی تھی۔ زعفرانی رنگ ہندو قوم کی نشانی کے طور پر اور سبز رنگ مسلمانوں کی شناخت کے طور پر اور بیچ والا سفید رنگ امن اور سچائی کی نشانی کے طور پر رکھا گیا تھا۔ ہندوستان کا ترنگا اور بھی کئی معنویت رکھتا ہے جیسے سبز رنگ، ہریالی اور شادابی کا پیغام دیتا ہے۔ دوسرا۔ سفید رنگ، امن و شانتی کا درس دیتا ہے۔ اور تیسرا کیسری رنگ، سرفروشی اور جانبازی کا سبق سکھاتا ہے اس لئے اس

کے باشندوں میں تینوں خوبیاں بھی ہونی چاہئے۔

۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو ترنگا ہندوستانی قومی پرچم کے طور پر انڈین نیشنل کانگریس کی جانب سے منظور کیا گیا تھا۔ اس پرچم کے ڈیزائن کی بنیاد وہی رکھی گئی جسے ۱۹۳۱ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے پیش کی تھی۔ درمیان والی سفید دھاری کے درمیان میں نیلے رنگ کا ایک گول نقش ہے جسے اشوک چکر بھی کہا جاتا ہے۔ اشوک چکر، ۲۴ کانٹوں پر مشتمل وہ پہیہ ہے جسے میزان قانون کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ہندوستانی راجہ اشوک کی یادگار ہے۔

اسی طرح قانون کے پہیئے Wheel of Law کے چوبیس عدد کا نئے بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ ۲۴ کا عدد دن کے چوبیس گھنٹوں کی شناخت کیساتھ ساتھ لامحدود زندگی کی نشانی بھی ہے۔

قومی پرچم میں تین رنگوں کی پٹیاں ہوتی ہیں جس میں گہرے کیسریا رنگ کی پٹی سب سے اوپر، سفید پٹی بیچ میں اور گہرے ہرے رنگ کی پٹی نیچے کی طرف ہوتی ہے۔ بیچ میں سفید رنگ کی پٹی میں ۲۴ تیلوں کا چکر بنا ہوتا ہے۔ یہ تینوں پٹیاں سائز میں برابر ہوتی ہیں۔

سب سے اوپر گہرا کسیریا رنگ قربانی، ہمت اور طاقت کی علامت۔ سفید رنگ امن اور صداقت کی علامت اور ہرا رنگ پیداوار اور کامیابی کی علامت ظاہر کرتا ہے۔ سفید پٹی کے بیچ میں 'نیو بلیو' رنگ کا 'اشوک چکر' ظاہر کرتا ہے کہ زندگی ہر کت میں ہے اور موت جامد ہے ۲۰۰ ق م یہ چکر بدھ مذہب کے ماننے والوں کا مذہبی نشان تھا جسے سارناتھ کے اشوک استمبھ سے لیا گیا۔ اس چکر کا قطر سفید پٹی کی چوڑائی کا تین چوتھائی ہوتا ہے۔ پرچم کی لمبائی اور چوڑائی کی نسبت ۲:۳ کی ہوتی ہے۔

قومی پرچم کی تیاری کا کام

قومی جھنڈے کی تیاری کا کام 'بیورو آف انڈین اسٹینڈرڈس (Bureauof

Indian) نام کی ایک کمیٹی کرتی ہے جو اس کے رنگ، دھاگا، کپڑا اور پیائش وغیرہ کے ضابطہ کی پابندی کرتی ہے۔

قومی پرچم کا قانونی ضابطہ

ہندوستانی قانون کے مطابق ہندوستانی شہریوں کو ہندوستانی پرچم لہرانے کی اجازت شروع میں صرف یوم آزادی ۱۵ اگست اور یوم جمہوریہ ۲۶ جنوری کے مواقع پر دی گئی تھی لیکن ۱۵ جنوری ۲۰۰۲ء کو دہلی ہائی کورٹ نے ایک قانون پاس کیا کہ اب ہندوستانی شہری سال بھر میں کسی بھی دن قومی پرچم لہرا سکتے ہیں جو دراصل ان کی اظہار رائے کی علامت میں سے ہے۔

۲۶/جنوری ۲۰۰۲ء کو قومی پرچم سے متعلق ضابطہ میں تبدیلی سے اب عام شہری بھی، کہیں بھی اور کبھی بھی، قومی پرچم ذیل کی پابندی کے ساتھ پَھہرا سکتا ہے۔

۱۔ جب بھی جھنڈا پَھہرایا جائے تو کیسریا رنگ اُوپر ہونا چاہئے۔

۲۔ فرقہ پرستی کے فائدے کے لیے قومی پرچم کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ جہاں تک ممکن ہو آفتاب کے طلوع سے غروب ہونے تک ہی پَھہرا جائے۔

۴۔ کسی بھی حالت میں جان بوجھ کر زمین سے نہ چھونے پائے، نہ اس کو فرش پر بچھایا جائے اور نہ ہی ان کے پردے لٹکائے جائیں اور نہ اسے کسی سواری کے اوپر یا دائیں بائیں پر دے یا چھتری کی طرح استعمال کیا جائے۔

۵۔ قومی پرچم کے اوپر یا داہنے کوئی بھی نشان، ہار، پھول، یا کوئی دوسرا جھنڈا یا جھنڈی نہ رکھی جائے۔

۶۔ قومی پرچم سے کوئی اور چیز نہ بنائی جائے جیسے جھولے و جھنڈی وغیرہ۔

۷۔ ترنگے کی بے حرمتی پر تین سال تک کی سزا یا جرمانہ یا دونوں ہو سکتے ہیں۔

ترنگے کا اہتمام

دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ 'ماؤنٹ ایوریسٹ' کی چوٹی پر ۲۹/مئی ۱۹۵۳ء کو ترنگا پَھہرایا گیا تھا۔

میڈم بھیکا جی کاما نے ۲۲/اگست ۱۹۰۷ء کو ہندوستان کے باہر ملک جرمنی میں ہندوستانی جھنڈے کو پَھہرایا تھا۔

بھارتی قومی پرچم نے سب سے پہلا خلائی سفر ۱۹۷۱ء میں اپولو ۱۵ کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں ونگ کمانڈر راکیش شرما کے ساتھ خلاء میں ترنگے نے پرواز کیا۔

اس طرح ہندوستان کا دستور اور جھنڈا ایسا ہے جس میں تمام قوموں کی رعایت ہے اللہ تعالیٰ اس ملک کو امن وامان کا گہوارہ بناتے ہوئے تمام انسانوں کو ہدایت عطا فرما کر مالک حقیقی کے قانون کے مطابق عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

والسلام

دعاؤں کا طالب

محمد سرور فاروقی ندوی

۲۵/۱/۲۰۱۷ء

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی کی تصنیفات

اردو کتابیں

۱۔معانی قرآن الکریم
(لفظی ترتیب کے اعتبار سے رواں اردو ترجمہ)
۲۔قرآنی آیات اور اسلامی معاشرہ
۳۔ہندوستان میں قرآن کے ترجمے وتفاسیر کا مختصر تعارف
۴۔تفسیر کا بنیادی مأخذ اور مفسر کی خصوصیت
۵۔قرآن میں انسان کا مقام اور اس کا اعلیٰ مقصد
۶۔قرآن کی دعوت اور اسلامی جہاد
۷۔قرآن کے مثالی نمونے اور لازوال معجزہ
۸۔کائنات کے عجائبات اور انسان کا اللہ سے تعلق
۹۔کلمۂ طیبہ کی حقیقت اور اس کے تقاضے
۱۰۔اللہ تعالیٰ کا تعارف اور کلمۂ شہادت کے فضائل
۱۱۔اسلامی کویز (سوال وجواب کی روشنی میں)
۱۲۔کفر وشرک کی حقیقت (شریعت کی روشنی میں)
۱۳۔کفر، شرک اور فسق کا ذکر اور صحابہ سے متعلق عقیدہ
۱۴۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے انمول موتی
۱۵۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر سیرت مستند کتب کی روشنی میں
۱۶۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جزیرۂ عرب
۱۷۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کریمانہ اخلاق اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت
۱۸۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں
۱۹۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات احادیث کی روشنی میں
۲۰۔اعمال صالحہ حصہ اول (حقوق اللہ)
۲۱۔اعمال صالحہ حصہ دوم (حقوق العباد)
۲۲۔خاتم النبین (قرآن کی روشنی میں)
۲۳۔نبیوں کی سیرت (قرآن وسنت کی روشنی میں)
۲۴۔اعمال کو باطل کرنے والی چیزیں اور نیت کی اہمیت
۲۵۔مسلمانوں کے فرقے اور ان کے عقائد
۲۶۔حرام، حلال اور مباح چیزیں
۲۷۔اخلاص کی فضیلت (قرآن وحدیث کی روشنی میں)
۲۸۔آخرت کا عقیدہ (قرآن وحدیث کی روشنی میں)
۲۹۔تعداد ازدواج اور اسلام (مذاہب عالم کی روشنی میں)
۳۰۔مستند مسنون دعائیں
۳۱۔امت محمدیہ کی عزت کا معیار اور بنی اسرائیل
۳۲۔اسلام میں جزیہ، خراج اور ذمیوں کے اختیارات
۳۳۔جہاد آتنکواد اور اسلام
۳۴۔داڑھی کی اہمیت (شریعت کی روشنی میں)
۳۵۔مدارس اسلامیہ کے نصاب کا تاریخی جائزہ اور ہندی زبان کی ضرورت
۳۶۔جنات وشیاطین کا تعارف اور معالج کی صفات
۳۷۔قیامت تک کے فتنے
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کی روشنی میں)
۳۸۔اسلام کی دعوت کا اثر انسانی دنیا پر
۳۹۔غیر عربی رسم الخط (فانٹ) میں قرآن کی
اشاعت (شریعت کی روشنی میں)
۴۰۔دعوت کی ذمہ داری (قرآن وحدیث کی روشنی میں)
۴۱۔آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں کب اور کون؟
۴۲۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اور مورتی پوجا کی ممانعت ویدوں کی دنیا میں
۴۳۔ہندو دھرم فرقے تنظیمیں اور اداروں کا تعارف
۴۴۔غیر مسلموں میں طریقۂ دعوت
۴۵۔اسلام کے خلاف الزامات اور اس کی دعوت کا اثر انسانی دنیا پر
۴۶۔بدھ مت اور اسلام
۴۷۔غیر مسلموں سے تعلقات اور مذہبی آزادی
۴۸۔اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق
۴۹۔غیر مسلموں سے دوستی یا دشمنی اعتراضات کے تناظر میں
۵۰۔عطیات قدرت اور دولت کی پیدائش
۵۱۔قرآن کے مطابق دولت کا استعمال
۵۲۔اللہ کی طرف سے رزق کی تقسیم اور کمزور طبقے کی کفالت
۵۳۔اسلامی معاشیات کا تقابلی جائزہ
۵۴۔اسلام میں تجارت کا طریقہ (قرآن وسنت کی روشنی میں)
۵۵۔اسلام کا زرعی نظام (شریعت کی روشنی میں)
۵۶۔جنت کے حالات اور جنت کی نعمتوں کا ذکر
۵۷۔جہنم کے حالات اور جہنمی (قرآن وحدیث کی روشنی میں)
۵۸۔کاغذی نوٹ اور بیع کی حقیقت
۵۹۔اسلامی قانون وراثت اور میراث کی تقسیم
۶۰۔مسافر اور سفر کے مسائل (قرآن وسنت کی روشنی میں)
۶۱۔عید اور قربانی کی حقیقت اور اس سے متعلق مسائل
۶۲۔عمرہ کا آسان طریقہ
۶۳۔حج اور عمرہ کا مکمل طریقہ
۶۴۔روزہ، تراویح، صدقہ اور اعتکاف کے احکام ومسائل

۶۵۔طلاق کا اسلامی طریقہ (قرآن وسنت کی روشنی میں)
۶۶۔صدقۂ فطر اور عقیقہ سے متعلق مسائل
۶۷۔زکوۃ اور مصارفِ زکوۃ
۶۸۔اسلامی پردہ اور آزاد معاشرے کی بربادی
۶۹۔محرم کی حقیقت اور عاشوراء کے واقعات، اسلامی جنتری اور اعمال
۷۰۔زبردستی اسلام قبول کروانے کی ممانعت اور اسلامی جہاد
۷۱۔غیر مسلموں سے متعلق مسائل (شریعت کی روشنی میں)
۷۲۔وفات سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو نصیحتیں
۷۳۔دعا کی قبولیت کے اوقات وآداب اور مانگنے کا طریقہ
۷۴۔صحابہ کی سیرت (تاریخ کی روشنی میں)

عربی کتابیں

۷۵۔أهمية المرأة فی ضوء القرآن و السنة
۷۶۔الإنسان فی ضوء القرآن و السنة
۷۷۔نبذة عن صفات رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم
۷۸۔غزوة حنین و الطائف فی ضوء القرآن و السنة
۷۹۔أسباب تحبط الأعمال و أهمية النية فی ضوء القرآن و السنة
۸۰۔الفتن الواقعة إلی قیام الساعة فی ضوء القرآن و السنة
۸۱۔النبی الخاتم من، متی، وأین
۸۲۔الهندوسية فرقها، عقائدها، منظماتها، آهدافها
۸۳۔أهمية الدعوة و التبلیغ فی ضوء القرآن و السنة
۸۴۔ذکر سیدنا محمد صلی الله علیه وآله وسلم و المنع عن عبادة
الأوثان فی الکتب الهندوسیه
۸۵۔أهمية المرأة فی ضوء القرآن و السنة

انگریزی

۸۶۔قرآن (20X3016)
۸۷۔اسلام؟
۸۸۔محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اینڈ دا اسٹیٹس آف ورشپ
۸۹۔اذان اے کالنگ فار ہیومینٹی
۹۰۔بیسک ٹیچنگ آف اسلام
۹۱۔محمد دی لاسٹ پرفٹ انڈر دی شیڈ آف وید
۹۲۔ہندو ریلیجین اٹس سیکٹ آرگنائزیشن اینڈ انٹروڈکشن آف اٹس انسٹی ٹیوشن
۹۳۔دی سوارڈ آف اسلام

ترجمہ کی ہوئی کتابیں

۹۴۔رمضان کا تحفہ (مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)
۹۵۔منتخب احادیث (حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ)
۹۶۔دار ارقم کا احسان انسانی دنیا پر (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)
۹۷۔قادیانیت نبوتِ محمدی کے خلاف بغاوت (شیخ محمد بن عبداللہ السبیل)
۹۸۔یکساں سول کوڈ اور مہلاؤ کے ادھکار (محمد سید محمد رابع حسنی ندوی)
۹۹۔مالک ومخلوق (محمد مصطفیٰ قادری)
۱۰۰۔یتیموں کی کفالت (محمد عامر صدیقی ندوی)
۱۰۱۔مانوتا آج بھی اسی چوکھٹ کی محتاج ہے (سید محمد حسنیؒ)

ہندی کتابیں

۱۰۲۔قرآن کا پیغام (قرآن آسان ہندی ترجمہ۔20X30X8)
۱۰۳۔قرآن کا پیغام (قرآن آسان ہندی ترجمہ۔20X30X16)
۱۰۴۔قرآن کا پیغام (قرآن آسان ہندی ترجمہ۔20X30X32)
۱۰۵۔تفسیر فاروقی (جلد اول)
۱۰۶۔تفسیر فاروقی (جلد دوم)
۱۰۷۔تفسیر فاروقی (جلد سوم)
۱۰۸۔تفسیر فاروقی (جلد چہارم)
۱۰۹۔تفسیر فاروقی (جلد پنجم)
۱۱۰۔تفسیر فاروقی (جلد ششم)
۱۱۱۔تفسیر فاروقی (جلد ہفتم)
۱۱۲۔قرآن کا پیغام (پارہ عمہ کی تفسیر)
۱۱۳۔اسلام دھرم کیا ہے؟
۱۱۴۔انتم سندیشٹا کب کہاں اور کون
۱۱۵۔جہاد آتنکواد اور اسلام
۱۱۶۔پوتر قرآن کا سندیش انسانی دنیا کے نام
۱۱۷۔تفسیر سورۃ الفاتحہ
۱۱۸۔اسلام کیا ہے؟
۱۱۹۔کفر وشرک کی حقیقت
۱۲۰۔توحید کی حقیقت
۱۲۱۔لا الہ الا اللہ کی گواہی
۱۲۲۔سرشٹی کا شرشٹا کون؟
۱۲۳۔پراکرتک ایش دوتوں کا دھرم اور پرلوک وشواش
۱۲۴۔اللہ کے ادھکار اور بندوں کے ادھکار
۱۲۵۔اسلامی شاشن اور شاشک اتہاسک درِشٹی سے
۱۲۶۔اسلام کی بنیادی معلومات